رات کا سائل :

رات میں نماز کے لیے اٹھنا، اللہ کو یاد کرنے، اس کے کلام کو سمجھنے، نفس کی خواہشوں پر غلبہ پانے اور محبت کی راہیں بھی کھولتا ہے، رات کا وقت سائل کے لیے مانگنے کا بھی بہترین وقت ہے۔ خصوصاً آخرِ شب میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قریب ہوتا ہے۔ اپنی خاص رحمتیں نازل کرتا ہے اور ان کے لیے اپنے دروازے کھول دیتا ہے جو اس وقت اس کے در پر سائل بن کر حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا :

جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ہمارا رب تبارک وتعالےٰ دنیا کے آسمان پر اترتا ہے اور فرماتا ہے : "کوئی ہے جو مجھے پکارے، میں اس کی پکار سنوں، کوئی ہے جو مجھ سے مانگے، میں اسے دوں، کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے، میں اسے بخش دوں۔" (بخاری، مسلم)

مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے :

پھر وہ اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے اور فجر تک کہتا رہتا ہے : کون ہے جو ایسی ذات کو قرض دے جو مفلس و قلاش ہے نہ ظالم۔"

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سنا ہے :

"ہر رات میں ایک وقت ہوتا ہے کہ مسلمان اس میں دین و دنیا کی جو بھلائی بھی مانگے، اللہ اس کو عطا کر دیتا ہے اور یہ لمحہ ہر رات آتا ہے۔ (مسلم)

حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا :

"رات کے آخری حصّہ میں رب اپنے بندہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اگر تم اس وقت اللہ کا ذکر کر سکو تو ضرور کرو۔ (ترمذی)

حضور نبی کریمؐ کا قیام لیل :

قم اللیل کے حکم نے حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر رات کی نماز فرض کر دی۔ ظاہر ہے کہ اس فرض کا نباہنا سب کے بس میں نہ تھا، خصوصاً ان کے لیے جو مریض ہوں، سفر

کر رہے ہوں، تلاشِ معاش میں مشغول رہتے ہوں، راہِ خدا میں لڑ رہے ہوں۔ چناں چہ کچھ مدت کے بعد ——— غالباً معراج کے وقت، بعض روایات کے مطابق ایک سال ہی بعد ——— اللہ تعالےٰ نے قیامِ لیل کی فرضیت کی جگہ اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا۔

بعض کے نزدیک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر رات کی نماز آخر عمر تک فرض تھی، بعض کا خیال ہے کہ آخر عمر میں یہ نماز آپؐ پر فرض نہ رہی تھی، آپؐ بطورِ نفل اس کی پابندی فرماتے رہے تھے۔ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ط (بنی اسرائیل)

بہ ہر حال حضورؐ پوری عمر اس ہدایت کی تعمیل میں تہجّد کی نماز پڑھتے رہے۔ آخر عمر میں بھی بعض دفعہ آپؐ رات کو اتنا طویل قیام فرماتے کہ پیروں پر ورم آجاتا۔ حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے کہا: "آپؐ ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ آپؐ کے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیے گئے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں"۔

مختلف روایات جمع کرنے سے آپؐ کے قیامِ لیل کے اسوہ کی تصویر نگاہوں کے سامنے آتی ہے۔

آپؐ بیدار ہوتے، تو آسمان کی طرف دیکھتے، اور سورۂ آلِ عمران میں سے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ آخر سورہ (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ) تک پڑھتے۔ (بخاری عن ابن عباسؓ)

کبھی آپؐ نے لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ تک بھی تلاوت فرمائی ہے۔ (نسائی عن حمیدرحؒ)

آپؐ کا یہ فرمانا بھی نقل کیا گیا ہے: جو بیدار ہو کر یہ پڑھے:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

پھر کہے رَبِّ اغْفِرْ لِیْ، یا کوئی اور دعا مانگے، تو اس کی دعا قبول کر لی جائے گی۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کر لی جاتی ہے (بخاری عن عبادہؓ بن صامتؓ)

اس کے بعد آپؐ مسواک کرتے، وضو فرماتے اور نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔
اس وقت آپؐ یہ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ۔ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ، وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَلِقَاءُكَ حَقٌّ، وَقَوْلُكَ الْحَقُّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ، وَبِكَ اٰمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ، وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ، وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ۔ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، اَنْتَ اِلٰهِيْ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ط

میرے اللہ، تیرے ہی لیے ساری تعریف اور شکر کہ تو ہی قائم رکھنے والا ہے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے اور تیرے ہی لیے ساری تعریف اور شکر کہ تو ہی نور ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے اور تیرے ہی لیے ساری تعریف اور شکر کہ تو ہی بادشاہ ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے۔

تیرے ہی لیے ساری تعریف اور شکر ہے کہ تو حق ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تجھ سے ملاقات برحق ہے اور تیری ہر بات حق ہے اور جنت حق ہے اور آگ حق ہے۔ اور سارے نبی سچے ہیں اور محمدؐ سچے ہیں اور قیامت برحق ہے۔

میرے اللہ! میں تیرا تابع ہو گیا ہوں، تیرے اوپر ایمان لایا ہوں، تیرے سپرد اپنا ہر معاملہ کر دیا ہے، تیری طرف پلٹتا ہوں اور تیری ہی مدد سے لڑتا ہوں اور تجھ ہی سے فیصلہ چاہتا ہوں۔

پس میرے ان گناہوں کو بخش دے جو میں نے کیے ہیں اور جو میں کروں گا

جو میں نے چھپا کر کیے اور علانیہ کیے اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے۔ (بخاری عن ابن عباسؓ)

آپؐ کبھی سات رکعت پڑھتے، کبھی نو، اور کبھی گیارہ۔ پہلی دو رکعت ہلکی پڑھتے (بخاری، مسلم عن عائشہؓ)

آپؐ نے اٹھنے کے بعد پہلی دو رکعت ہلکی پڑھنے کی ہدایت بھی فرمائی۔ (مسلم عن ابی ہریرہؓ)

آپؐ کبھی نو رکعت اس طرح پڑھتے کہ صرف آٹھویں رکعت پر تشہد کے لیے بیٹھتے (مسلم عن عائشہؓ)

کبھی آپؐ دو دو رکعت کر کے پڑھتے۔ کبھی آپؐ دو رکعت پڑھ کر سو جاتے۔ یہاں تک کہ خراٹے لینے لگتے اور اتنی ہی دیر سوتے جتنی دیر نماز پڑھتے۔ پھر اٹھ کر دو رکعت پڑھتے، پھر سو جاتے، پھر اُٹھ کر دو رکعت پڑھتے، پھر تین رکعت وتر کی پڑھتے۔ (مسلم عن عبداللہ بن عباسؓ نسائی عن حمیدؓ وام سلمہؓ)

آپؐ کبھی ہلکی رکعت پڑھتے، کبھی طویل قرأت کرتے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے چار رکعت میں بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ یا انعام کی سورتیں پڑھیں (ابوداؤد عن حذیفہؓ)

کبھی آپؐ کا رکوع بھی قیام کے برابر ہوتا، قومہ بھی، سجدے بھی، دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ بھی۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب آپؐ کی عمر زیادہ ہو گئی اور وزن بڑھ گیا تو آپؐ سات رکعت پڑھ لیتے۔ جب کبھی نیند یا جسم میں درد کی وجہ سے آپؐ رات کو قیام نہ کر سکتے تو دن میں بارہ رکعت پڑھ لیتے۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ نبیؐ نے کبھی ایک رات میں پورا قرآن پڑھا ہو یا عشاء سے صبح تک نماز پڑھی ہو۔ (مسلم)

حضورؐ کو قیام لیل کا حکم اس جہادِ عظیم کی تیاری کے لیے دیا گیا تھا، جس سے آگے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو اقامتِ دین کی راہ میں سابقہ پیش آنے والا تھا۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کی یہی وہ امتیازی خصوصیت ہے جو اسے دوسری تحریکات سے ممتاز کرتی

ہے۔ اس کے لیے دوسرے وسائل و ذرائع کے فراہم ہونے سے پہلے، صحیح معرفت رب، مستحکم ایمان، غیر متزلزل صبر اور اپنے رب پر کامل اعتماد و توکّل ضروری ہے۔ ان اوصاف کے حصول کا واحد ذریعہ نماز، بالخصوص شب کی نماز ہے۔ بشرطیکہ اس طرح ادا کی جائے جس طرح اس کے ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا رشتہ اقامتِ دین کی جدوجہد سے کاٹ نہ دیا جائے، جس کی وہ بنیاد ہے اور جس کی تقویت اور کامیابی کی خاطر اس کی ہدایت کی گئی ہے۔

اسی لیے نبی کریمؐ نے رات کی نماز کے واجب نہ رہنے کے بعد بھی اس کی ترغیب دی، اس کی تاکید کی، ساتھیوں کو بھی اور گھر والوں کو بھی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سنا:
فرض نماز کے بعد سب سے افضل رات کی نماز ہے۔ (احمد)

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:
تم اپنے آپ پر رات کی نماز لازم کر لو۔ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ رہا ہے۔ یہ تمہیں اپنے رب سے قریب کرتی ہے۔ یہ برائیوں کا کفّارہ ہے اور گناہ سے روکنے والی ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ اس شخص پر رحمت نازل کرے جو رات کو اٹھا، پھر نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر بیوی نہ جاگی تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اور اللہ رحمت نازل کرے اس عورت پر جو رات کو اٹھی اور نماز پڑھی، پھر اپنے شوہر کو جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی۔ اور اگر وہ نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ (ابوداؤد، نسائی)

حضرت امّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہؐ گھبرائے ہوئے اٹھے، اور فرمایا: سبحان اللہ، رات میں کس قدر خزانے اور کس قدر فتنے اتارے گئے! کون ہے جو حجرہ والیوں کو جگائے۔ آپؐ کی مراد اپنی بیویوں سے تھی تاکہ وہ نماز پڑھیں۔

بہت سی عورتیں دنیا میں کپڑے پہننے والیاں ہوں گی مگر آخرت میں برہنہ ہوں گی۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد، حضرت عمر بن الخطابؓ رات کو نماز پڑھتے تھے جس قدر اللہ توفیق دیتا تھا جب رات کا آخری حصہ ہوتا تو آپؓ اپنے گھر والوں کو نماز کے لیے جگاتے اور کہتے:

اٹھو اور نماز پڑھو۔ پھر یہ آیت پڑھتے: وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَوٰةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر قائم رہو۔ (طٰہٰ ۲۰ : ۳۲)

عملی نسخہ:

رات کی نماز کبھی بھی آسان نہ تھی، لیکن آج یہ کچھ زیادہ ہی مشکل ہو گئی ہے۔ کیوں کہ آج تو زندگی کی مشغولیات بہت بڑھ گئی ہیں۔ فکرِ معاش ہی دم نہیں لینے دیتی۔ ضرورتوں اور خواہشوں میں اضافہ ہوا تو ہر ضرورت اور ہر خواہش، توجہ، وقت اور محنت کی طلب گار ہے۔ لیکن اگر آپ کے دل میں رات کی گھڑیوں میں اپنے رب کے سامنے قیام کی تمنا ہو، تو اس کام کو کرنے کے آسان طریقے بھی ہیں۔ ایسے طریقے جن سے آپ ابتدا کر سکتے ہیں اور آپ کے لیے اولیٰ اور افضل مقام تک پہنچنے کا راستہ بھی کھل سکتا ہے۔

اگر آخر رات میں اُٹھ کر نماز پڑھنا مشکل ہو، تو پھر سونے سے پہلے ہی ۸ رکعت پڑھ لیں۔ اگر سونے سے پہلے نماز کے لیے وضو کرنا اور کھڑا ہونا بھی دشوار ہو، تو عشا کی نماز کے ساتھ پڑھ لیں۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ نبی کریمؐ سے رات کے ابتدائی حصے میں، بلکہ ہر حصے میں پڑھنا ثابت ہے۔ اگر آپ ارادہ کر کے ایک دفعہ شروع رات میں پڑھنے لگیں گے، تو ان شاء اللہ بیچ رات یا آخر رات میں پڑھنا بھی نصیب ہو سکتا ہے۔

رات کی نماز کے لیے بھی یہ ضروری نہیں کہ آپ لازماً طویل قرأت ہی کریں۔ آخری دس سورتیں ہی ہر رات نماز میں پڑھ لیں یا آخر کی اور چھوٹی سورتیں، تو یہ بھی کافی ہے۔ سورۂ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے، سورۂ کافرون ایک چوتھائی کے، سورۂ نصر ایک چوتھائی کے، سورۂ زلزال نصف کے اور سورۂ تکاثر ایک ہزار آیات کے۔

(اَوْ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) چھوٹی سورتیں اپنے حجم کے لحاظ سے چھوٹی ہوں، اپنے مضامین اور اجر کے لحاظ سے بڑی سورتوں سے کسی طرح کم نہیں۔ نبی کریمؐ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ جس نے قیام میں دس آیات تلاوت کیں اس کا نام غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا۔ اور جس نے ایک سو آیات کی تلاوت کی اس کا شمار قانتین میں ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں اذا زلزلت اور القارعہ ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ کر پڑھوں، تو یہ اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ البقرہ اور آل عمران کو جلدی جلدی بغیر سمجھے پڑھ دوں۔

اجرِ عظیم:

قیامِ لیل کا اجر کتنا عظیم ہے! ذرا خود قرآن سے سنیے اور یاد رکھیے۔

جن کے جسم بستروں سے دور رہتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ۔ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ط (السجدہ ۳۲: ۱۷)

پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزا میں ان کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے، اس کی کسی نفس کو خبر نہیں ہے۔

جو رات کو کم سوتے ہیں، اور سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ۔ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰھُمْ رَبُّھُمْ اِنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُحْسِنِیْنَ ط (الذاریات ۵۱: ۱۵-۱۶)

متقی لوگ اس روز باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ جو کچھ ان کا رب انہیں دے گا، اسے خوشی خوشی لے رہے ہوں گے۔ وہ اس سے پہلے نیکو کار تھے۔

راتیں سجود و قیام اور تلاوت میں گزارنے والوں کو عباد الرحمان قرار دیا گیا ہے۔ (الفرقان)، اہلِ علم اور اولوالالباب (عقل سے لبریز) کہا گیا ہے۔ (الزمر)

دعوت اِلی اللہ

آگے فرمایا :

اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًاؕ

بے شک تمہارے لیے دن میں طویل شغل ہے۔

یہ طویل شغل کیا ہے؟ سبح کے معنی جاری ہونے اور گھومنے پھرنے کے ہیں۔ پانی میں تیرنے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے چاند، سورج اور سیّارے فضا میں اپنے اپنے مدار پر تیزی کے ساتھ اور مسلسل گھومنے میں جس طرح مشغول رہتے ہیں۔ اس کے لیے بھی قرآن نے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ وَکُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ یہیں سے لفظِ تسبیح، یادِ الٰہی میں مشغولیت کے معنوں میں استعمال ہو گیا۔ زندگی کی ساری عام مشغولیتیں اس میں شامل ہیں۔ دن بنایا ہی اس لیے گیا ہے، وَجَعَلۡنَا النَّھَارَ مَعَاشًا یہ مشغولیتیں دن بھر دم لینے کی مہلت نہیں دیتیں، اس لیے عام طور پر اس آیت کے معنی یہی لیے گئے ہیں کہ دن بھر کے یہ مشاغل بہت ہیں، اپنی معاش کے لیے چلنا پھرنا اور کام کرنا ہوتا ہے، فراغت اور توجّہ سے اپنے رب کی عبادت کے لیے وقت مشکل ہی سے ملتا ہے، اس لیے رات کی چند گھڑیوں کو عبادت کے لیے فارغ کرو۔

لیکن ایک امرِ واقعہ کا بیان وجہ اور سبب کے طور پر بھی ہو سکتا ہے، نتیجے کے طور پر بھی اور ہدایت کے طور پر بھی۔ رات کے وقت اس لیے قیام و نماز کا حکم نہیں دیا گیا کہ دن کو وقت نہیں ملتا، بلکہ رات کا وقت اور رات کا اٹھنا اپنی جگہ ایسی خصوصیات کا حامل ہے کہ قیام اور مقاصدِ قیام کے لیے یہی وقت موزوں ہے۔ اندازِ کلام یہ بتاتا ہے کہ امرِ واقعہ کا یہ بیان، ہدایت کے لیے ہے۔

اس پہلو سے سبح کا لفظ ذکر، تسبیح اور دعوت الی اللہ کے معنوں میں ہے ۔ قرآن میں یہ لفظ زندگی کے عام مشغولیات کے لیے کہیں بھی استعمال نہیں ہوا ہے۔ جہاں بھی ہوا ہے ذکر اور دعوت الی اللہ کے معنوں میں ہوا ہے، حضرت موسیٰ، فرعون کے دربار کی طرف دعوتِ حق کے لیے روانہ ہوتے ہیں، شرح صدر اور سہولت کلام اور حضرت ہارونؑ کے ذریعہ تقویت کی دعا کرتے ہیں اور مقصد یہ بتاتے ہیں کہ کَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيرًا (تاکہ) ہم کثرت سے آپ کی تسبیح اور ذکر کریں۔ (طٰہٰ ۲۰: ۳۳-۳۴)

قیامِ لیل اور دعوت الی اللہ کے کام میں جو گہری مماثلت اور معنی خیز تعلق ہے، وہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ رات میں قیام اور تلاوت قرآن سے باطنی قوتوں کے جو خزانے حاصل کرو، ان کے ذریعہ دن بھر پیغامِ قرآن کی دولت و نعمت تقسیم کرنے میں مشغول رہو کہ یہی قیام و تلاوت کا مقصود ہے۔

وہی بات جو الم نشرح میں کہی گئی ہے، یہاں ترتیب بدل کر کہہ دی گئی ہے۔ وہاں کہا گیا تھا کہ ہم نے تمہارا وہ بوجھ اتار دیا جو تمہاری کمر توڑے جا رہا تھا۔ قبل نبوّت تلاش ہدایت کی فکرمندی کا بوجھ، بعد از نبوّت تبلیغ ہدایت کا بوجھ۔ تنگی اور مشکل کے بعد کشادگی اور آسانی کا شکریہ ہے کہ جب مہم رسالت سے فارغ ہو تو محنت کے لیے کمر کس لو، اور اپنے رب سے لو لگاؤ۔

یہاں ترتیب بدلنے سے معانی کا یہ پہلو کھل جاتا ہے کہ دونوں کا تعلق آپس میں لازم و ملزوم کا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی افزائش اور تقویت کا باعث ہیں۔ رات میں قیام اور اپنے رب سے لو لگانے سے وہ قوت اور طاقت حاصل ہوتی ہے، جس سے دن کا بوجھ ہلکا اور کام آسان ہوتا ہے۔ اور دن کے کام سے وہ ضرورت اور پیاس پیدا ہوتی ہے جو رات کو کمر بستہ کھڑے ہو جانے کی قوت بخشتی ہے۔ اور یہ کام اس قیامِ لیل کو وہ رنگ اور گہرائی دیتا ہے کہ یہ نری رہبانیت نہیں، خود جہاد بن جاتا ہے، جہاد کا پیش خیمہ بن جاتا ہے، جہاد کا ساتھی بن جاتا ہے۔ "رات کے راہب، دن کے گھڑ سوار" ہی فاتح عالم بنتے ہیں۔ اور یہیں سے ایک جہانِ تازہ کا آغاز ہوتا ہے۔

ذکرو اخلاص

اب، فرمایا:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ط

اور اپنے رب کا نام یاد کرو (اور یاد رکھو) اور سب سے کٹ کر، اسی کے ہو رہو

تلاوتِ قرآن کے لیے قیامِ لیل اور تبلیغِ قرآن کے لیے دعوت کی ہدایت کے بعد، ان دونوں کاموں کو صحیح طور پر بجالانے کے لیے اور ان سے صحیح فائدہ حاصل کرنے کے لیے اور پوری زندگی کے تزکیہ اور اسے صحیح راہ پر قائم رکھنے کے لیے، دو بنیادی ہدایتیں دی جارہی ہیں:

ایک ذکر، یعنی ہمیشہ اور ہر طرح اللہ کو یاد کرو اور یاد رکھو۔

اور دوسرے اخلاص، یعنی جو کرو صرف اللہ کے لیے کرو، کسی اور کے لیے نہ کرو اور ساری زندگی صرف اسی کی بندگی میں گزارو، اس کی نذر کردو، کسی اور کا حصّہ نہ لگاؤ۔

ان دونوں کا باہم بڑا گہرا تعلق ہے۔ اللہ کے ذکر سے اخلاص پیدا ہوتا ہے، مضبوط ہوتا ہے، قائم رہتا ہے، ہر کام میں صرف اللہ کی رضا پر نگاہ رکھنا اور صرف اس کے لیے کرنا، ہر دم اور ہر حالت میں اللہ کے ذکر کا سب سے اعلیٰ طریقہ ہے۔

اللہ کو کثرت سے یاد کرو، صبح و شام یاد کرو، اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے یاد کرو، تنہائی میں لوگوں کے درمیان یاد کرو۔ دل میں یاد کرو اور زبان سے یاد کرو، آہستہ اور بلند آواز سے یاد کرو، کاروبارِ زندگی کرتے ہوئے یاد کرو، میدانِ جنگ میں یاد کرو۔ قرآن میں مختلف مقامات پر تفصیل سے یہ ہدایات دی گئی ہیں۔ یہاں اتنی تفصیل سے بیان نہیں،

صرف ذکر کرنے کی ہدایت ہے۔ لیکن مراد ذکر کی کثرت اور ذکر کی ہمیشگی ہے۔ اجمال وابہام سے ذہن علم کی جستجو میں لگ جاتا ہے۔ جستجو سے حاصل کردہ علم ہی راسخ ہوتا ہے۔

حافظ، ذہن کی سوچ، دل کے خیال ـــ یہی وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں ہر عمل کی بنیاد ہیں۔ اس لیے جتنا یہ اللہ کی یاد پر مرکوز رہیں، اللہ کی یاد سے بندھے رہیں، اللہ کی یاد سے بھرے رہیں، اتنا ہی دل زندہ رہے گا، صحیح رہے گا۔ اور جتنا دل زندہ رہے گا، اتنا ہی زندگی طیب و پاکیزہ رہے گی اور درست رہے گی۔

ذکر نہ صرف زندگی کا سامان ہے، بلکہ تمام شیطانی وساوس سے بچنے کے لیے سب سے محفوظ پناہ گاہ ہے۔ یہی نسخہ ہے تزکیہ کا، اسی مقصد کے لیے تمام عبادات فرض کی گئی ہیں۔ قرآن خود ذکر ہے، تذکیر و ذکر کے لیے نازل ہوا ہے۔ یہی راز ہے قرآن میں ذکر کی اتنی اہمیت کے ساتھ تاکید کا۔ ذکر، تزکیہ کا نسخہ اس لیے ہے کہ ہر بگاڑ، وسوسہ سے، دل کے خیالات اور ارادوں سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وسوسہ شیطان ڈالے، انسان ڈالیں یا آدمی خود ڈالے، خیال یا وسوسہ ڈالنے کے علاوہ کسی کو آدمی پر کوئی اختیار نہیں۔ جب دل اللہ کی یاد سے بھرا ہوا ہو، اسی میں مشغول ہو، تو وسوسے اس طرح بھاگ جاتے ہیں جس طرح روشنی سے اندھیرے۔

ذکر کے مکمل معنی ہیں کہ آپ زبان سے وہ کہیں، دل و دماغ میں وہ خیال رکھیں، ہاتھ پاؤں اور اعضاء جوارح سے وہ کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ انہیں معنوں میں ممکن ہے کہ آپ ہمہ دم ذکر کرسکیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ حِیْنٍ رسول اللہ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ یہ ذکر کرنا انھیں معنوں میں ہے۔

فرمایا ہے کہ "اپنے رب کے نام کا ذکر کرو۔ پہلی وحی بھی یہ تھی کہ" اپنے رب کے نام" سے پڑھو اور سناؤ۔ یہاں یہ بحث غیر ضروری ہے کہ کیا اس سے اسم ذات، یعنی اللہ، اللہ کی تکرار کا جواز ثابت ہوتا ہے، یا اس کے مطلوب ہونے کا اشارہ نکلتا ہے۔ اللہ کی ذات کے بارے میں کوئی تصور بھی، مخلوق انسانی کے محدود ذہن کے لیے کرنا ممکن ہے نہ جائز۔ اس کی صفات کا بھی بالکل صحیح اور مکمل تصور ہمارے بس میں

نہیں، ہاں اس نے ہماری زبان میں، جو ہمارے محدود علم اور تجربات ہی پر مشتمل ہے ہم سے کلام کیا ہے، اور ہمیں اپنی صفات کی معرفت بخشی ہے۔ اس کی ذات کا نام زبان پر آئے گا تو بھی اس لفظ کے ذریعے اس کی وہ صفات ہی ہمارے ذہن میں آئیں گی جو اس نے ہمیں تعلیم کی ہیں۔ "اسم" کا لفظ عربی زبان میں صفت اور معرفت کے لیے آتا ہے۔ بلکہ ہر زبان میں، کسی بھی چیز کا نام لینے سے، اس کی صفات ہی ذہن میں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات بیان کر کے ہی فرمایا ہے: وَلَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی سارے اسماءِ حسنیٰ اس کے ہیں (الحشر: ۲۴) اسم ذات اور اسماء صفات کو یکساں قرار دیا ہے: قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ، اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی ط کہو! اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس طرح بھی پکارو اسماءِ حسنیٰ اس کے ہیں۔ (اسرا ۱۷: ۱۱۰)

چناں چہ "رب کے نام" کو یاد کرو اور یاد رکھو کے معنی یہ ہیں اس کی صفات کو یاد کرو اور یاد رکھو۔ یہی اسماءِ حسنٰی ہیں۔ ان صفات کا صحیح علم ہو، ان کی معرفت ہو، ان پر یقین ہو، یہ دل و دماغ میں تازہ رہیں، زبان پر ان کا ذکر رہے، تو "آدمی کی پشت پر ایک لشکرِ گراں اس کے محافظ کی حیثیت سے موجود رہتا ہے۔ شیطان کی ساری فوجیں اس لشکر کے سامنے پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ وہ اپنے آپ کو پہاڑوں سے بھی زیادہ مستحکم محسوس کرتا ہے۔"

اس کا علم، اس کی معرفت، اس پر یقین کیا ہے؟

کائنات میں ہر چیز صرف اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے، ہر چیز کو اسی نے زندگی بخشی ہے، ہر چیز اسی کے قائم رکھنے سے قائم اور موجود ہے۔

ہر قسم کا اختیار صرف اسی کے پاس ہے، اس کے سوا کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں، جو کچھ ہوتا ہے، جو نہیں ہوتا، یہ سب اس کی مشیت، ارادہ اور حکم پر منحصر ہے۔ پتا بھی گرتا ہے تو اس کے حکم سے اور گرنا اس کے علم میں ہوتا ہے۔ جو رزق بھی ملتا ہے وہی دیتا ہے۔

وہ ہر وقت ساتھ ہے، ہم اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔

موت کے بعد اس سے ملاقات ہونی ہے، آج ہی اس کی تیاری کی مہلت ہے۔

یہاں بھی اور وہاں بھی، ہم سے اس کا سارا تعلق اور ہمارے بارے میں اس کے سارے فیصلے ربوبیّت کے فیصلے ہیں، رحمان و رحیم کے فیصلے ہیں اور سراسر رحمت پر مبنی ہیں۔

اسی طرح وہ ساری صفات جن سے قرآن بھرا ہوا ہے۔

ان صفات کے علم اور ان پر یقین کا فطری نتیجہ ہے کہ آپ تمام مخلوقات سے کٹ کر — جو فانی ہیں، ختم ہونے والی ہیں، کوئی حقیقت نہیں رکھتیں — صرف اس خالق کے ہو جائیں جو باقی ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جو عین حق ہے۔ یہی تبتّل ہے۔

اسی کی طرف زندگی اور زندگی کی ساری بھاگ دوڑ کا رُخ کر لیں، اسی کو ان کا مقصود اور ہدف بنائیں۔ جو کچھ کریں صرف اس کی رضا اور توجہ، اس کے وجہ کریم کے لیے کریں جو باقی رہنے والا ہے۔ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ط

تَبَتُّل میں اخلاص بھی ہے، اللہ کے لیے یکسوئی بھی اور ساری زندگی، بلا شرکتِ غیرے اس کی اطاعت و بندگی میں دے دینا بھی۔ مخلوقات سے کٹنے کے معنی دنیا اور دنیوی زندگی سے کٹنے کے نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے سب سے بڑھ کر محبت ہو۔ اللہ سے تعلق ہر تعلق پر غالب ہو، دل اللہ کے ساتھ لگا ہوا ہو، اگرچہ ظاہر میں ساری تگ و دو دنیا میں لگی ہوئی ہو، مگر دنیا کے لیے نہ ہو۔ نظر صرف اس کے اختیار پر ہو، بھروسا صرف اس کے اوپر ہو۔ ایسا ترکِ تعلق، دنیا کے کسی معاملے کو اور کسی معمول کو ترک کر دینے کا مطالبہ نہیں کرتا شادی ہو، تلاشِ معاش ہو، تحصیل علم ہو، ہنر اور پیشہ ہو، انسانی تعلقات ہوں یا سیاست ہو۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: زُہد یا ترکِ دنیا اس کا نام نہیں کہ تم اپنے اوپر اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لو یا جو مال تمہارے پاس ہے اسے خواہ مخواہ اڑا دو۔ ترکِ دنیا اس کا نام ہے کہ تمہیں بھروسا صرف اس معاملے میں ہو جس کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے، (اور ہر معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے)، نہ کہ اس میں جو اپنے ہاتھ میں ہے، (اور کوئی معاملہ اپنے ہاتھ میں نہیں۔) تبتّل ہی سے یہ زُہد اور اس زُہد ہی سے توکّل پیدا ہوتا ہے۔

توکّل

آگے اسی توکّل کی ہدایت فرمائی :

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا ؕ

مشرق و مغرب کا رب وہی ہے، اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں۔ پس اسی کو اپنا وکیل بناؤ۔

یہاں اسم "رب" کی ایک تعبیر بیان کی گئی ہے: وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ مشرق و مغرب کے معنی ساری دنیا، ساری کائنات ہے۔ ہم اپنی زبان میں بھی مشرق و مغرب انہیں معنوں میں بولتے ہیں۔ وہ رب، وہی ساری دنیا کا پالنے والا ہے۔ ہر وجود کی ہر ضرورت اور ہر حاجت پوری کرنے والا وہی ہے، اس لیے ہر اختیار اس کے پاس ہے، ہر چیز پر اسے قدرت حاصل ہے، اس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ لہٰذا اسی کو اپنا وکیل بناؤ۔

وکیل اس کو کہتے ہیں جس کے سپرد آپ اپنا معاملہ کر دیتے ہیں۔ اپنا معاملہ آپ اس کے سپرد کرتے ہیں جس کے بارے میں آپ کو اعتماد اور بھروسا ہوتا ہے کہ :

(۱) اسے آپ کے معاملے کا پورا علم ہے۔

(۲) آپ کا معاملہ آپ کے حق میں فیصلہ کرانے یا کرنے کے لیے وہ پوری اہلیّت اور قدرت رکھتا ہے اور

(۳) اسے آپ کے معاملے میں اتنی دل چسپی ہے کہ وہ اسے ہاتھ میں لے گا۔

اللہ تعالیٰ اسی لیے نعم الوکیل ہے کہ وہ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہے، وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ؕ ہے، اور اس کی دل چسپی اور محبّت اور تعلّق رب، الٰہ، رحمٰن اور رحیم جیسی صفات سے بالکل عیاں ہے۔

اس لیے اپنے سارے حالات و معاملات اس کے سپرد کر دو اور اس پر مکمل بھروسا

کرو۔ خصوصاً وہ معاملات جو رسالت اور دعوت و تبلیغ کے اس کام سے متعلق ہیں، جو اسی کا کام ہے اور جو اس نے خود تمہارے سپرد کیا ہے۔ اس کام میں وہ جس طرح تمہارے ساتھ ہے، اس کے اعتبار کے لیے کیا اس کے وہ الفاظ کافی نہیں کہ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا بے شک تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو یا یہ کہ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى (میں تمہارے ساتھ ہوں، سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں)، یا یہ کہ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ، کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔

وہ نعم المولیٰ ونعم الوکیل ہے، کیا ہی اچھا مولیٰ، کیا ہی اچھا کارساز۔ اس نے كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا "اللہ کارسازی کے لیے کافی ہے" کی بشارت دی ہے۔ اس نے وعدہ فرمایا ہے کہ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ جو اللہ پر توکل کرے اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ جو یہ سب جان لیتا ہے، وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے:

حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ط

میرے لیے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، میں نے اسی پر توکل کر لیا ہے، وہی عرشِ عظیم کا رب ہے۔

توکل کے معنی یہ نہیں کہ آپ وہ تدابیر اور اسباب ترک کر دیں جو ربّ المشرق والمغرب نے مہیا کیے ہیں۔ توکل کے معنی یہ ہیں کہ اسباب کو کارفرما اور مسبّب نہ سمجھیں، تدابیر کو مدبّر کا مقام نہ دیں، ان کی حقیقت کو نگاہوں کے سامنے رکھیں۔

اس توکل کے بغیر دعوت و جہاد کی راہ میں مخالفتوں اور مزاحمتوں کے مقابلے کے لیے وہ اخلاق و کردار پیدا نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ وہ کیا ہے؟

مخالفت و مزاحمت اور داعیانہ کردار

فرمایا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا وَذَرْنِىْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ أُولِى النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ط

اور صبر کرو اس پر جو کچھ لوگ کہتے ہیں اور خوب صورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ اور مجھ پر چھوڑ دو ان خوش حال جھٹلانے والوں کو اور مہلت دو انہیں تھوڑی سی۔

دعوت و تبلیغ کی راہ میں، مخالفت میں سب سے پہلے زبانیں استعمال ہوتی ہیں۔ طرح طرح کی باتیں کہی جاتی ہیں، آخر وقت تک کہی جاتی رہتی ہیں۔ ان باتوں کی کاٹ جسمانی اور مالی زخموں سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔ جسم پر زخم لگتا ہے تو بالآخر مندمل ہو جاتا ہے، مالی نقصان ہوتا ہے تو اس کی بھی تلافی ہو سکتی ہے، مگر زبان سے دل پر زخم لگتا ہے، تو دل کا گھاؤ مندمل نہیں ہوتا، اس کی تلافی کی صورت بھی مشکل سے نکلتی ہے۔

مخالف جھٹلاتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں، طنز و استہزا کرتے ہیں، طعن و تشنیع کا شکار بناتے ہیں، جھوٹے الزامات لگاتے ہیں، عیب جوئی کرتے ہیں، برائیاں کرتے پھرتے ہیں۔ ان باتوں سے حوصلہ پست ہوتا ہے، ہمت ٹوٹتی ہے، دل شکستگی ہوتی ہے، حزن اور غم ہوتا ہے، اور مایوسی ڈیرے ڈالنا شروع کر دیتی ہے۔ زبان کی ایذا شدید ترین ایذا ہوتی ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار یہ بھی بیان کیا ہے کہ زبان کے وار کیا ہوتے تھے اور کتنے شدید ہوتے تھے۔ جو مخالف کہتے اس پر صبر کرنے کی، حزن کا شکار نہ ہونے کی، اپنی دعوت پر جمے رہنے کی، اپنے کام میں لگے رہنے کی تاکید بھی فرمائی ہے۔

(طٰہٰ ۲۰: ۱۳۰، صٓ ۳۸: ۱۷، قٓ ۵۰: ۳۹)

صبر کی راہ بھی بتائی ہے: اپنے سے پہلے کے رسولوں پر جو گزری اور جس طرح انہوں نے صبر کیا اسے یاد رکھو (صٓ، نٓ) اور اللہ کے ذکر اور تسبیح میں مشغول ہو جاؤ۔ (طٰہٰ، قٓ)

سورہ المزمل میں قیام لیل اور ذکر کا حکم پہلے ہے، جو باتیں لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کا حکم بعد میں ہے۔ سورہ طٰہٰ اور سورہ قٓ میں، یہ ترتیب بدل گئی ہے۔ صبر کا حکم پہلے ہے، نماز اور ذکر و تسبیح کا بعد میں، گویا صبر کی جڑ بھی نماز اور ذکر و تسبیح ہے۔ اس کی تقویت اور استقامت کا سامان بھی یہی ہے۔ اور مخالفتوں کے ہجوم میں اللہ کو یاد کرنا بھی صبر کے بغیر ممکن نہیں۔

صبر کرو کہ معنی یہ ہیں کہ اپنے کام میں لگے رہو، اپنے مقام سے نہ ہٹو، قدم نہ ڈگمگائیں، مایوسی راہ نہ پائے، حوصلہ نہ ٹوٹے۔ صبر کے معنی یہ بھی ہیں کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دو۔ بلکہ صبر کا اعلیٰ ترین مقام یہ ہے کہ برائی کا جواب بھلائی سے دو، گالیوں کا جواب دعاؤں سے دو۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ...... وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ؕ برائی کو بھلائی سے دفع کرو۔ یہ اسی کا نصیب ہے جو صبر کرے اور یہ اسی کا نصیب ہے جو بڑے مقدر والا ہے۔ (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۳۴-۳۵)

صبر کا سرچشمہ بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ، اور تمہارا صبر صرف اللہ کے ساتھ ممکن ہے۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا اپنے رب کے فیصلے تک صبر کرو کہ تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو۔

صبر کے ساتھ ہجر جمیل کی ہدایت بھی کی جا رہی ہے۔ ہجر یعنی چھوڑنے کے معنی ترک تعلق اور سوشل بائیکاٹ نہیں۔ ہجر کے ساتھ جمیل کی شرط لگائی گئی ہے۔ جمیل کا لفظ خود ترک تعلق کی نفی کر رہا ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کی ہے اور آپؐ کی پوری زندگی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ آپؐ نے جانی دشمنوں کے ساتھ بھی میل جول، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، ملاقات، گفتگو، لین دین ترک کیا ہو، اس لیے اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ ایسی روش اس "ہجر" کے زمرے میں نہیں آتی جس کا یہاں حکم دیا جا رہا ہے۔

ہجر جمیل میں صرف برائی کا جواب بھلائی سے دینا ہی نہیں بلکہ برائی کا جواب برائی سے نہ دینا بھی شامل ہے۔ عناد، دشمنی، انتقام، گالی، لعن طعن، لڑائی جھگڑا، فضیحت ----- یہ

وہ چیزیں ہیں جن کی داعی کی روش میں کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔

ہجرِ جمیل میں یہ بھی شامل ہے کہ " مخالفوں کے منہ نہ لگو" ان کی بیہودگیوں کو بالکل نظر انداز کر دو، ان کی کسی بدتمیزی کا جواب نہ دو، پھر یہ احتراز بھی کسی غم، غصّے اور جھنجھلاہٹ کے ساتھ نہ ہو۔"

ہجرِ جمیل میں یہ بھی شامل ہے کہ بظاہر دنیوی میل جول اور بات چیت رکھو، ترکِ تعلق نہ کرو، لیکن دل کا تعلق ان سے نہ ہو جو اللہ کے دشمن ہوں، ان سے ہو جو اللہ کی راہ کے ساتھی ہوں۔

ہجرِ جمیل روش کے لیے یہ ضروری ہے کہ تم مخالفوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ تمہارا یہ اختیار نہیں کہ ان سے زبردستی منوالو اور نہ یہ تمہاری ذمّہ داری ہے۔ تمہارے ہاتھ میں قدرت و اختیار نہیں۔ تمہارا کام بلاغ ہے، ان کے اعمال کا حساب اللہ کے اوپر ہے۔ جو داعی اس حقیقت کو پا جاتا ہے اور اپنے مخالفوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیتا ہے، اس کے قدم کبھی حق، عدل، احسان اور صبر کی راہ سے نہیں ڈگمگاتے۔

ہجرِ جمیل کی یہ روش صبر کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے ہجرِ جمیل کی ہدایت سے پہلے صبر کی ہدایت کی گئی۔

صبر کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ مخالفین کے لیے بددُعا یا ان سے مایوسی میں استعجال سے اجتناب کرو۔ ان کو مہلت دو کہ یہ حق قبول کرلیں یا ان پر اتمامِ حجت ہو جائے اور ان کے بارے میں اللہ کا حکم صادر ہو جائے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ کی مخالفت میں اور آپ کا انکار کرنے میں پیش پیش خوش حال اور دولت مند لوگ تھے۔

ان دو آیات میں آپ کے سامنے اس کردار اور اخلاق کی پوری تصویر آتی ہے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور جس اخلاق سے آپؐ کی داعیانہ زندگی جگمگا رہی ہے۔

اختتامی ہدایات

سورت کے آخر میں چند اور قیمتی ہدایات ہیں، جن کا مختصر تذکرہ یہاں ضروری ہے۔

(۱) جب حضورؐ کے گرد جماعت کا دائرہ وسیع ہوگیا، تو اللہ تعالیٰ نے انسانی مجبوریوں اور کمزوریوں کے پیشِ نظر قیام لیل کی فرضیت منسوخ کر کے اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا حکم دیا۔

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ کن انسانی کمزوریوں اور مشغولیتوں کی خاطر اس بے بہا مگر دشوار عمل میں سہولت پیدا کی گئی۔ فرمایا :

اللہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار ہوں گے۔ کچھ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرنے کے لیے تگ و دو میں مشغول ہوں گے (یعنی تلاش معاش میں) اور کچھ دوسرے اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔

یہاں سے دین کی حکمت کا یہ انتہائی اہم اصول بھی واضح ہوگیا کہ ہدایت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہونا چاہیے اور ہوگا، کمزور اور ضعیف انسان بھی اس دائرے میں داخل ہوں گے، دین کے کم سے کم مطالبات ان کی استطاعت سے باہر نہیں ہونے چاہئیں۔ الدین یسر کا تقاضا ہے کہ تیسیر دین کی بنیاد ہو، جیسا کہ نبی کریمؐ نے کثرت سے ارشاد فرمایا ہے۔

فرض وہی چیز ہو سکتی ہے جو انسان کے بس اور اختیار میں ہو۔ چناں چہ قیام لیل کی جگہ اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ ہر انسان کے بس میں ہے، کسی کی استطاعت سے باہر نہیں۔

رحمان و رحیم کی رحمت و عدل کا تقاضا ہے کہ کسی انسان پر اس کی استطاعت

سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالا جائے۔ لیکن اس کی رحمت کا ظہور یہ ہے کہ اس نے عشا اور فجر کی نمازیں باجماعت ادا کرنے کا ثواب پوری رات کے قیام کے برابر کر دیا۔

(۲) اس کے ساتھ اللہ نے قرضِ حسنہ بھی مانگا۔ یہ قرضِ حسنہ دین کے کام کے لیے خرچ کرنے کے لیے مانگا گیا ہے۔ یہ ایتاءِ زکوٰۃ کے سوا اور اس سے زائد چیز ہے۔ حسنہ کے معنی یہ ہیں کہ اخلاص سے دو۔ صرف اللہ کے لیے دو، دل کھول کر دو، دے کر احسان نہ سمجھو اور احسان نہ جتاؤ۔

(۳) یہ یقین ہی انفاق فی سبیل اللہ کے لیے دل اور جیب کو کھول سکتا ہے کہ یہاں دنیا میں جو کچھ اللہ کی راہ میں دیں گے وہ آخرت میں اس کے پاس بہتر اور عظیم اجر کی صورت میں ملے گا۔ اس اجر پر نگاہ رکھنا ہی سارے اعمال کی کلید ہے۔

(۴) چوتھا حکم استغفار کا ہے۔ اپنا جائزہ، اپنا احتساب، اپنے گناہوں پر ندامت، ان پر اللہ کی ناراضی اور عذاب کا خوف، اسی کی طرف پلٹ کر اس سے مغفرت طلب کرنا، اپنے گناہ پر اصرار نہ کرنا اور یقین رکھنا کہ گناہ صرف وہی بخش سکتا ہے: یہ ہے استغفار کا خلاصہ۔ یہ راہِ حق کا ناگزیر زادِ راہ ہے۔

استغفار ہی سے دنیا میں عزت و کامرانی اور خوش حالی کی راہ کھلتی ہے، استغفار ہی سے جنّت کی راہ بھی کھلتی ہے۔ استغفار ہی میں دل کی زندگی ہے، استغفار ہی سے قوموں کی زندگی ہے۔ مغفرت کے بغیر آخرت میں جنّت میں داخلہ ممکن نہیں۔ استغفار ہی سے دنیا میں آسمان کے دہانے کھول دیے جاتے ہیں، کھیتیاں سونا اُگلنے لگتی ہیں۔ معیشت مالا مال ہوتی ہے، قوّت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی ہے۔ (نوح)

حرفِ آخر

یہ مختصر سورت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ تربیتِ نفس کی پہلی منزل، اس کا بنیادی اور پہلا نصاب ہے۔ آپ اسے مضبوطی کے ساتھ تھام لیں اور اس پر عمل کی کوشش میں لگ جائیں تو ان شاء اللہ تزکیہ و تربیت کی راہ آپ کے لیے کھلتی چلی جائے گی۔

اس نسخہ کے اجزا کو ایک دفعہ پھر دُہرا لیجیے۔

۱۔ قیامِ لیل
۲۔ ترتیلِ قرآن
۳۔ دعوت الی اللہ
۴۔ ذکرِ الٰہی
۵۔ تبتّل (اخلاص و یکسوئی)
۶۔ توکّل
۷۔ صبر
۸۔ ہجرِ جمیل
۹۔ اقامتِ صلوٰۃ
۱۰۔ ایتاءِ زکوٰۃ
۱۱۔ اللہ کو قرضِ حسنہ
۱۲۔ اجرِ آخرت پر نگاہ
۱۳۔ استغفار

شب کی چند دعائیں

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِرِضَاكَ مِنۡ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنۡ عُقُوۡبَتِكَ وَ اَعُوۡذُبِكَ مِنۡكَ، لَا اُحۡصِیۡ ثَنَاءً عَلَيۡكَ، اَنۡتَ كَمَا اَثۡنَيۡتَ عَلٰى نَفۡسِكَ۔

میرے اللہ میں تیرے غصّہ سے تیری رضا کی پناہ مانگتا ہوں اور تیری سزا سے معافی کی پناہ۔ اور تجھ سے تیری پناہ میں تیری ثنا کا حق ادا نہیں کر سکتا، تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی ثنا کی۔

اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ فِیۡ قَلۡبِیۡ نُوۡرًا، وَفِیۡ لِسَانِیۡ نُوۡرًا، وَاجۡعَلۡ فِیۡ سَمۡعِیۡ نُوۡرًا وَفِیۡ بَصَرِیۡ نُوۡرًا، وَاجۡعَلۡ مِنۡ خَلۡفِیۡ نُوۡرًا، وَمِنۡ اَمَامِیۡ نُوۡرًا، وَاجۡعَلۡ مِنۡ فَوۡقِیۡ نُوۡرًا، وَمِنۡ تَحۡتِیۡ نُوۡرًا، اَللّٰھُمَّ اَعۡطِنِیۡ نُوۡرًا ط

اے اللہ میرے دل میں اور میری زبان میں نور کر دے اور میری شنوائی اور بینائی میں نور کر دے اور میرے پیچھے اور آگے نور کر دے اور میرے اوپر اور نیچے نور کر دے اور مجھے نور عطا کر۔ (مسلم)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ الرِّضَا بِالۡقَضَا، وَبَرۡدَ الۡعَيۡشِ بَعۡدَ الۡمَوۡتِ، وَلَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجۡهِكَ الۡكَرِيۡمِ، وَالشَّوۡقَ اِلٰى لِقَائِكَ فِیۡ غَيۡرِ ضَرَّاءٍ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتۡنَةٍ مُضِلَّةٍ۔

میرے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں، تیرے فیصلہ پر رضامندی، موت کے بعد پُرلطف زندگی، تیرے وجہ کریم پر نظر اور اس کا دیدار اور تیری ملاقات کا شوق، جو بغیر کسی ضرر کے اور ضلالت کے ہو۔